اسلامی اور مغربی طرز و سلیقہ حیات :
ایک مختصر تقابلی مطالعہ

مؤلف: محمد جواد اسکندرلو

مترجم: مولانا سید جمال عباس نقوی سرسوی

زندگی کیسے بسر کی جائے؟ یہ وہ سوال ہے جو انسان کے لئے ہمیشہ قابل اہمیت رہا ہے۔اسی لئے دنیا میں پائے جانے والے تقریباً تمام ادیان، مذاہب اور ہر مکتب فکر نے زندگی بسر کرنے کے انداز و سلیقہ (life_style) پر اپنے لحاظ سے روشنی ڈالی ہے۔ سر دست اس سلسلہ میں اسلامی اور مغربی نقطۂ نظر کی وضاحت مقصود ہے۔

" اسلامی طرز حیات " سے ہماری مراد وہ طرزِ زندگی ہے جو قرآنی تعلیمات اور سیرت و سنت سے ماخوذ ہو۔[۱]

مغربی دانشمند، جرمن ماہر نفسیات، آلفورڈ ایڈلر، کہتے ہیں:" طرز حیات "، اپنے اہداف تک پہنچنے اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے انسان کے عام انداز زندگی سے عبارت ہے؛ جس کی جڑیں بچپنے سے وابستہ ہیں، انسانی فکر و شعور بھی اس سے متاثر ہوتا ہے نیز کس طرح زندگی کی ذمہ داریوں کو انجام دیناہے، یہ اس کے لئے معین کرتا ہے۔[۲]

اسلامی طرزِ حیات اور مغربی طرزِ زندگی، دو الگ الگ طور طریقے اور زندگی بسر کرنے کے انداز ہیں۔ ادھر گذشتہ سو سال سے مغربی تہذیب و تمدن نے مسلمانوں کے طرزِ زندگی پر بہت گہرے اور عمیق اثرات چھوڑے

۱۔ محمودی، بررسی جایگاہ علم در سبک زندگی قرآنی، ۱۹/ ۵۶-۵۸۔

۲۔ کاویانی، سبک زندگی اسلامی و ابزار سنجش آن، ۸۸۔

ہیں۔ اور ابھی بھی اسے اپنانے یا اس کا مقابلہ کرنے یا ایڈجسٹ کرنے کا مسئلہ اسلامی سماج کا اہم فکری اور ثقافتی مسئلہ بنا ہوا ہے۔

اسی لئے ذیل میں اسلامی اور مغربی نقطۂ نظر سے، زندگی بسر کرنے کے انداز(life_style) کا تقابلی جائزہ مقصود ہے تاکہ ماڈرن(MODERN) اسٹائل کے فریب میں، مسلمان اپنی زندگی کو جہنم نہ بنائیں اور غیر مسلم اہل نظر کو زندگی کے حقائق کا پتہ چل سکے اور وہ ایک کامیاب و کامران حیات بسر کرسکیں۔

حیات طیبہ یا اسلامی طرزِ زندگی

جو زندگی، اسلامی اصولوں پر استوار اور تعلیمات قرآن و سنت کی روشنی میں گزاری جائے، قرآن مجید میں اس طرزِ زندگی کو "حیات طیبہ" کہا گیا ہے۔

حیات طیبہ؛ درحقیقت اس عاقلانہ زندگی کا نام ہے جو اہل ایمان کے صالح اعمال و کردار اور ان کی مثبت سوچ و فکر کا نتیجہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ"[۱] (اہل ایمان مرد و زن میں جو بھی صالح عمل انجام دینے والے ہیں؛ ہم انھیں حیات طیبہ عطا کریں گے اور ان کے اعمال کا احسن و بہتر اجر دیں گے)۔

حیات طیبہ؛ یعنی ایسی معتدل اور متوازن(balanced) زندگی، جو انسان کے جسم و روح سے ہماہنگ ہو تاکہ وہ مطلوبہ رشد و کمال اور انسانی ارتقاء کی جانب گامزن رہے۔

اسلامی طرزِ زندگی کی اساس و بنیاد

اسلامی طرزِ زندگی کی اساس و بنیاد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ایمان و اعتقاد اور میلانات و رجحانات؛

۱۔ سورۂ نحل، ۹۷۔

۲۔ رفتار و کردار؛

۳۔ اجتماعی و سماجی زندگی اور تہذیب و ثقافت؛

ا۔ ایمان و اعتقاد اور میلانات و رجحانات

ذیل میں اس کی کچھ وضاحت کی جارہی ہے:

الف: انسانی وجود میں ایمان اور اس کا مرتبہ

قرآن کریم نے انسانی اعتقادات و نظریات اور اس کے یقین کو "ایمان" سے تعبیر کیا ہے اور اس کی منزل "دل" بیان کی ہے۔ چنانچہ ایمان کے دعویدار بعض اعراب کے بارے میں فرمان الٰہی ہے: "قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ..."[۱](اعراب کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں؛ کہدیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں؛ اس لئے کہ ابھی تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا ہے۔۔۔)۔

ب: خود اعتمادی

ایمان باللہ اور خود اعتمادی (self-relince)، بظاہر ایک دوسرے سے اتنے وابستہ ہیں کہ گویا ان میں سے ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں؛ اور شاید اسی لئے قرآن مجید نے "خدا فراموشی" کو "خود فراموشی" کے سبب کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ..."[۲](ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلادیا؛ تو اللہ نے خود ان کو ان سے غافل کردیا)۔

۱۔ سورۂ حجرات/۱۴۔

۲۔ سورۂ حشر/۱۹۔

اور دوسری جانب یہ تلقین کہ تمام کائنات انسان کے طفیل میں خلق کی گئی ہے؛ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: "یَابَنِی آدَمَ خَلَقْتُ الاَشیاءَ لِاَجْلِکَ وَ خَلَقْتُکَ لِنَفْسِی "[۱] (اے بنی آدم! تمام چیزوں کو تمہارے لئے اور تجھ کو اپنے لئے خلق کیا ہے)؛ خود یہ تصور، انسان میں خود اعتمادی، احساس ذمہ داری اور اپنی قدر و قیمت کے اندازے کے ساتھ زندگی کی عظمت و بلندی کے ادراک اور رشد و کمال کی جانب ارتقاء کا سبب ہے۔

ج: ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں رہنے کی طرف توجہ

ایک پاک و پاکیزہ اور طیب و طاہر زندگی جینے کے لئے، قرآن کریم نے مختلف تعبیروں میں، یہ حقیقت کہ انسان ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں ہے، بارہا بیان کی ہے: " وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ "[۲] (تم جہاں کہیں بھی رہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے)۔ آیہ کریمہ کا یہی مفہوم امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کی اس حدیث شریف میں بھی بیان ہوا ہے: "أَفْضَلُ إِيمَانِ الْمَرْءِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰہَ تَعَالَى مَعَهُ حَيْثُ كَانَ "[۳] (ایمان کا بافضیلت ترین مرتبہ و مرحلہ یہ ہے کہ مومن یہ جان لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے)۔

گویا حیات طیبہ کا نقطہ آغاز، اللہ پر ایمان ہے، اور اس کی بقاء، اس احساس و ایقان کا مرہون منت ہے کہ وہ ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں ہے؛ اس یقین و ایمان کی بدولت نہ تو کبھی زندگی میں پژمردگی آتی ہے اور نہ انسان مرجھاتا ہے؛ کیونکہ سرچشمہ حیات اور تمام خوبیوں و خوبصورتیوں کے پیدا کرنے والے اور ان تک پہنچنے کے تمام لوازمات اور امکانات کو خلق کرنے والے پر دل کی گہرائیوں سے اعتقاد و یقین کے بعد انسان کے لئے حیات طیبہ تک پہنچنے کے تمام راستے فراہم ہیں۔

۱۔ فیض کاشانی، علم الیقین، ۱/۳۸۱۔

۲۔ سورۂ حدید/۴۔

۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ۲۰/۲۵۹۔

د: توفیقات الٰہی پر اعتقاد اور ان سے فائدہ اٹھانا

حیات طیبہ کے دوام اور اس کے باقی رہنے کے عوامل و اسباب میں سے ایک، توفیقات الٰہی پر اعتقاد ہے۔ یہ عقیدہ انسان کی زندگی کو پر سکون بھی بناتا ہے، اسے پائداری بھی عطا کرتا ہے اور استحکام بھی فراہم کرتا ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ"[۱] (بے شک جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر جمے رہتے ہیں، ان پر ملائکہ یہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہو اور تمھیں اس جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ ہے)؛ اس آیۂ شریفہ میں اللہ تعالی نے توفیقات الٰہی کو، فرشتوں کے مومنین پر نازل ہونے کے قالب میں، ان کی تقویت اور دلجوئی نیز خوف وڈر اور رنج و غم کو ان کی زندگی سے دور کرنے کے لئے بیان کیا ہے۔ اور توفیقات الٰہی سے فیضیاب ہونے کی شرط، کلمۂ توحید پر استقامت کو قرار دیا ہے۔

آیہ مبارکہ میں "ثُمَّ اسْتَقَامُوا" کی تعبیر، دلیل ہے کہ حیات طیبہ "صراط مستقیم" کا دوسرا نام ہے؛ یعنی یہ ایک ایسی زندگی ہے جس میں دوام، استمرار اور ثبات قدم بہت ضروری ہے۔ کیونکہ "ثُمَّ" استمرار[۲] پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال یہ عقیدہ انسان کو معقول، پاک وپاکیزہ، سعادتمند اور مفید زندگی گزارنے کی تگ و دو، جدوجہد اور تلاش و کوشش پر ابھارتا ہے: "والَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ"[۳] (اور جن لوگوں نے ہمارے لئے جدوجہد کی ہم انھیں اپنے راستوں کی راہنمائی کریں گے اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے) اور بالآخر وہ امداد الٰہی سے سرافراز ہوتا ہے۔

۱۔ سورۂ فصلت/ ۳۰۔

۲۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ۴/ ۱۱۹۔

۳۔ سورۂ عنکبوت/ ۶۹۔

ہ: توکل

اسلامی طرزِ زندگی چننے کے بعد جو چیزیں اس ارادہ کو مضبوط و محکم رکھتی ہیں اور اسے استمرار عطا کرتی ہیں ان میں سے ایک اللہ تعالی پر اعتماد و توکل ہے۔ چنانچہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے ارشاد باری تعالی ہے: "فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ"[1] (اور جب عزم و ارادہ کر لو تو اللہ پر توکل کرو، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

چونکہ توکل ایک قلبی اور باطنی امر ہے اور اس کی جڑ معرفت الٰہی نیز مومن انسان کا خلوص ہے، لہٰذا اگر وہ بروقت و برمحل اور شرائط توکل کی رعایت کے ساتھ انجام پائے، یعنی مقصد کی تعیین، غور و فکر، کارآمد مشورے، بہترین انتخاب اور اس کے بعد جدوجہد اور کوشش کی جائے، تو یہ صحیح طرزِ زندگی کی تشکیل میں بہت اہم رول کا حامل ہے؛ کیونکہ توکل کرنے والا انسان، خود کو ایک ایسے وجود سے وابستہ پاتا ہے جو اس پر سب سے زیادہ مہربان، اس کا سب سے بڑا ہمدرد، اس کی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور اس کی کارکردگیوں میں سب سے زیادہ دخیل اور قادر و قوی ہے۔ اسی لئے توکل کے ذریعہ اسے بھرپور سکون و اطمینان کا احساس اور روشن مستقبل کی امید رہتی ہے۔

و: دعا

ایمان باللہ کی تجلی کا ایک نام، دعا ہے۔ انسانی زندگی میں دعا کے اثرات اور اس کے نتیجہ میں اسلامی طرز کی مطلوب و معقول زندگی، کسی پر مخفی نہیں ہے۔ دعا کے بارے میں کیسی خوبصورت، لطیف اور پر معنی اسلوب کی حامل ہے یہ آیۂ کریمہ: "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ"[2] (اور اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے

۱۔ سورۂ آل عمران/۱۵۹۔

۲۔ سورۂ بقرہ/۱۸۶۔

قریب ہوں دعا کرنے والا جب پکارتا ہے اس کا جواب دیتا ہوں لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان واعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہ راست پر آجائیں)۔

"دعا" انسانی فطرت میں شامل ہے اوراس کے دل کی حقیقی چاہت اور مانگ ہے؛ کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی، انسان کی بلکہ تمام موجودات کی ضرورتوں اور چاہتوں کو پورا نہیں کرسکتا، اسی لئے اللہ کو زبان سے پکارنا اور اس کی بارگاہ نیاز میں اپنی ضرورتوں کا اظہار کرنا، انسان کی بلند پایہ زندگی کی حقیقتوں سے ہماہنگی کی نشانی اور اس کی معنوی وحقیقی زندگی کو استمرار عطا کرنے کا سبب ہے؛اس لئے کہ معرفت الٰہی، ایمان باللہ کا سبب ہے اور خدا پر یقین و ایمان ہی سے دعا کی کیفیت اور مناجات کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ رفتار و کردار

کسی کے بھی اعتقاد اور اس کی سوچ کا اندازہ اس کے اعمال و کردار سے لگایا جاتا ہے؛ گویا "عقیدہ" کے بعد "عمل" کا مرحلہ ہے بلکہ حقیقت میں انسان کے عقیدوں اور اس کے افکار کا نتیجہ، اس کا عمل اور اس کی رفتار ہی ہے۔ یعنی انسانی رفتار و کردار ہی در حقیقت، انسانی زندگی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کا سبب ہے، جسے قرآن مجید اور اہلبیت علیہم السلام کی روایتوں کی زبان میں "عملِ صالح" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ کہف میں ہے: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً "[۱] (جو بھی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے عمل صالح کرنا چاہیئے)۔

اللہ سے ملاقات، خلقت انسان کی اصلی و واقعی غرض اوراس کا بلند و بالا ہدف ہے؛ آیہ کریمہ میں اسے "عمل صالح" کی انجام دہی اور اللہ کی عبادت میں شرک سے دوری اختیار کرنے پر ممکن بیان کیا گیا ہے۔ اس بنا پر انسان کی اسلامی طرزِ زندگی اور حیات طیبہ کے تقاضوں میں "عمل صالح" اور اس حیات کے حصول کی راہ میں یقینی اور مسلّم رکاوٹ کے طور پر "شرک" کا نام لیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سورۂ کہف/۱۱۰۔

ذیل میں بعض ان خدا پسند اعمال کے مصادیق کی جانب اشارہ مقصود ہے جو اسلامی طرزِ زندگی کے اہم ترین سبب ہیں:

الف: آخرت طلبی

دنیا طلبی کی مذمت کے بعد، آخرت طلبی کے سلسلہ سے ارشاد باری تعالی ہے:"وَمَنْ أَرادَ الْآخِرَةَ وَسَعى لَها سَعْيَها وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ كانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوراً"[1](اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہے اور اس کے لئے ویسی ہی کوشش بھی کرتا ہے اور مومن بھی ہے تو اس کی سعی یقیناً مقبول قرار دی جائے گی)۔

آیہ مبارکہ میں اس سعی و کوشش کو، اللہ کی بارگاہ میں مقبول بیان کیا گیا ہے جو "آخرت پر ایمان" کے ساتھ ہو، گویا جد وجہد کی بنیاد اس عقیدہ پر ہو کہ تمام انسانوں کی بازگشت آخرت کی جانب ہے۔ یعنی دنیا کے پست اور ناپایدار کاموں میں اپنی قوت وطاقت خرچ کرنے کے بجائے، انسان کو چاہیئے کہ بلند ہمتی کا ثبوت پیش کرے اور دنیامیں اس کی سعی و کوشش، الٰہی بلند مقاصد کا حصول ہو۔

ب: بہترین انتخاب

اسلامی طرز زندگی یعنی حیات طیبہ کی تشکیل میں ایک اور بنیادی عنصر، جو مطلوبہ عمل کو انجام دینے کے لئے انسانی ارادہ کے استحکام اور اس کی مضبوطی کا سبب ہوتا ہے، فکروں، نیتوں، گفتگو، اعمال اور زندگی کے تمام امور میں سے "بہترین کا انتخاب" ہے:"وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ ما أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذابُ بَغْتَةً وَ أَنْتُمْ لا تَشْعُرُونَ"[2](اور تمہارے رب کی طرف سے جو بہترین نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو قبل اس کے کہ تم

۱۔ سورۂ اسراء/۱۹۔

۲۔ سورۂ زمر/۵۵۔

تم تک اچانک عذاب آجائے اور تم سمجھ بھی نہ سکو)۔اس آیۂ شریفہ میں" انتخاب احسن"کی وجہ،انسانی عمر کی کمی اور جلد فرصت ختم ہونا بیان ہوئی ہے۔[۱]

ج: دنیا سے دل نہ لگانا

کامیابی وکامرانی اور عملِ صالح کی راہ میں گامزن رہنے اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے تلاش وکوشش کی قدرت وطاقت سے سرافراز رہنے کی ایک پہلی شرط یہ ہے کہ انسان، دنیا اور دنیاوی کاموں کا دلدادہ، دلبستہ اور اس سے وابستہ نہ ہو۔

حضرت امام سید سجاد علیہ السلام ماہ مبارک رمضان کی ستائیسویں شب کی دعا میں، جسے آپ علیہ السلام صبح تک تلاوت فرمایا کرتے تھے، خدا سے درخواست کرتے ہیں:"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ التَّجَافِی عَنْ دَارِ الْغُرُوْر"[۲]

آیت اللہ جوادی آملی مدظلہ العالی دار غرور سے تجافی اور نور کی جانب صعود و عروج کے سلسلے میں فرماتے ہیں:"خداوند عالم کی جانب سیر وسلوک کی پہلی شرط، اڑان بھرنے اور چھلانگ لگانے کی تیاری ہے، جسے" تجافی "سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[۳]

قرآن کریم "اہل تجافی "کی یوں توصیف اور اس طرح تصویر کشی کرتا ہے:"تَتَجافیٰ جُنُوبُھُمْ عَنِ الْمَضاجِعِ یَدْعُونَ رَبَّھُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمّا رَزَقْناھُمْ یُنْفِقُونَ"[۴](ان کے پہلو بستر سے دور رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور طمع کی بنیاد پر پکارتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے ہماری راہ میں انفاق کرتے رہتے ہیں)۔

۱۔طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ۱۷/۴۲۷۔

۲۔سید بن طاووس، اقبال بالاعمال الحسنۃ، ۲۲۸۔

۳۔جوادی آملی، صورت وسیرت انسان در قرآن، ۲۷۲۔

۴۔سورۂ سجدہ/۱۶۔

"تجافی" یعنی پرہیز اور دوری۔ حقیقی مومن وہی ہیں جو اپنے پروردگار سے دعا و مناجات اور رازونیاز کے لئے راتوں کو اپنے بستر استراحت سے اٹھتے ہیں اور ان کے پہلوان کی آرامگاہوں سے چپکے نہیں رہتے۔

جی ہاں، مومن انسان اس دنیا اور دنیاوی امور کے درمیان رہتا ضرور ہے؛ لیکن خداوند عالم اور قرب الٰہی کے لئے، باآسانی اس سے جدا بھی ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے پاس دولت وثروت ہے، تو اس کو راہِ خدا میں خرچ کرکے، اس سے الگ ہوسکتا ہے، اسی طرح دنیاوی سارے امور اور تعلقات سے علیحدگی اختیار کرسکتا ہے۔

د: جدوجہد اور تعمیری کارکردگی

اسلامی طرز زندگی کے حامل افراد، ہمیشہ جدوجہد اور مستقل کچھ نہ کچھ تعمیری کام کرتے رہتے ہیں۔ بیکاری سے پرہیز اور مفید کاموں میں مصروفیت، ایک طرف انسان کی توانائیوں کو پروان چڑھاتی ہے، اس کی صلاحیت و استعداد بڑھاتی ہے اور دوسری طرف نفس امارہ اور ایسی دوسری حیوانی خصلتوں، جیسے منفی سوچ، ناامیدی، پست ہمتی، عبث ہونے کا احساس اور اس جیسی صفتوں پر کنٹرول کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں، کھانے کمانے اور روٹی روزی کے لئے سفر کرنے والوں کی تعریف وتمجید کی گئی ہے اور اللہ تعالی نے انھیں راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی صف میں شمار کیا ہے: "وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ"[1] (اور بعض رزق الٰہی کی تلاش میں سفر کریں گے اور بعض راہ خدا میں جہاد کریں گے)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "جو شخص اپنے گھر والوں کی آسانیوں اور سہولت کے لئے روزی کی تلاش اور تگ ودو کرے، وہ اس سپاہی کی مانند ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔"[2]

۱۔ سورۂ مزمل/۲۰۔

۲۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ۱۲/۲۳۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابیوں نے یہ کہکر اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے کہ: "خداوند عالم ہماری روزی کا ذمہ دار ہے"۔ جب آپؐ کو اس قضیہ کی خبر ہوئی، تو فرمایا: "جس نے بھی ایسا کیا ہے، اس کی دعا قبول نہیں ہو گی، تم سب اپنی روزی روٹی خود تلاش کرو۔"[1]

لٰہذا زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سعی پیہم، جہد مسلسل، تعمیری کارکردگی اور اقتصادی سرگرمی اور تلاش وکوشش کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور بیکار رہ کر عالم غیب سے روزی پہنچنے کا گمان رکھنا، باطل سوچ اور خیال خام کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۳۔ اجتماعی وسماجی زندگی اور تہذیب وثقافت

اسلامی طرزِ زندگی کے ڈھانچہ کی ایک اساس وبنیاد، انسان کی اجتماعی وسماجی زندگی اور تہذیب وثقافت ہے۔

ذیل میں اس سلسلہ سے مربوط اہم ترین موارد پیش کئے جا رہے ہیں:

الف: مثبت سوچ اور دوسروں کی بہ نسبت اچھا گمان

اللہ تعالی نے مومنین کو ایک دوسرے سے بدگمان رہنے سے روکا ہے، تاکہ سب ایک دوسروں کی بہ نسبت حسنِ ظن سے کام لیں، خوش بین رہیں اور بس۔ داستانِ افک کے موقع پر ارشاد باری تعالی ہے: "لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُبِينٌ"[2] (آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جس وقت تم نے اس تہمت کو سنا تھا تو مومنین ومومنات اپنے سلسلے سے حسن ظن رکھتے اور کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے)۔

آیۂ کریمہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مومن انسان کو اپنے دینی وایمانی بھائی بہنوں کے سلسلے سے حسنِ ظن رکھنا چاہیئے۔ خاص طور سے اس وقت کہ جب منافقین ان لوگوں کے خلاف افواہیں پھیلا رہے ہوں۔

۱۔ عروسی حویزی، نور الثقلین، ۵/ ۳۵، ح ۳۵۴۔

۲۔ سورۂ نور/ ۱۲۔

افواہوں سے متاثر ہونا، اسلامی طرز زندگی کی اہم رکاوٹوں میں سے ایک ہے اور اس سے انسان کی روح کو نقصان پہونچتا ہے، اس کا ذہنی چین و سکون جاتا رہتا ہے۔ جبکہ ایک دوسرے کے بارے میں اچھی سوچ اور حسنِ ظن، اجتماعی زندگی کے امن و سکون کو محفوظ رکھنے والے اہم ترین اسباب میں سے ہے۔

ب: تواضع وانکساری

کسی بھی سماج میں لوگوں کے درمیان محبت و الفت کا رشتہ قائم و برقرار ہونے، انھیں لڑائی جھگڑے اور انتشار سے روکنے اور اس کے نتیجہ میں معاشرے کو ممکنہ نقصانات سے محفوظ رکھنے والے عوامل میں سے ایک، وہ تواضع وانکساری ہے جو ہمیشہ مہر و محبت کے ہمراہ ہو۔

نرم مزاجی، خوش رفتاری، مدارا، قوت برداشت، لطف و مہربانی اور ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و خاکساری کا، اسلامی طرزِ زندگی کی تشکیل میں بہت اہم رول ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چاہا ہے کہ مومنین کے لئے اپنے شانوں کو مہربانی و تواضع سے جھکادیں: "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ"[۱] (اور جو صاحبان ایمان آپ کی پیروی کرلیں ان کے لئے اپنے کاندھوں کو جھکادیجئے)۔

ج: دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا

فتح مکہ کے موقع پر، جب ایک شخص انتقام لینے کے لئے یہ نعرہ لگا رہا تھا: "اَلْیَوم یومُ الْمَلْحَمَة"، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلیومُ یومُ المرحَمَةِ" آج، مرحمت اور مہربانی کرنے کا دن ہے نہ کہ انتقام و بدلہ لینے کا۔

اپنے اس محبت آمیز اقدام سے، تمام دنیا والوں کے لئے رحمت الٰہی کا پیغام لانے والا، درحقیقت ہم کو سکھانا چاہتا ہے کہ کامیابی کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی رحمت، مہربانی اور پیار و محبت کا سلوک ہونا چاہیئے۔ آپؐ نے اس حکمت عملی کے ذریعہ سب کے دلوں کو جیت لیا، سب کے سب محبوب بن گئے اور انسانی سماج کو یہ پیغام دیا کہ رشد و اقبال اور ترقی کا اہم ترین راز عفو و درگذشت اور انتقام نہ لینے کا جذبہ ہے۔

۱۔ سورۂ شعراء/ ۲۱۵۔

د: مختلف نظریات کے حامل مفکرین کے ساتھ مناسب برتاؤ

اسلام میں تبلیغ کی بنیاد، نرمی اور عطوفت و رافت ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے حق کی جانب بلانے کا یہ انداز، تعلیم کیا ہے: "ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[۱] (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بلائیں اور ان سے احسن طریقہ سے جدال کریں)۔

آیۂ کریمہ سے صاف واضح ہے کہ تبلیغ کا آغاز علم و دانش و منطق اور عقلی استدلال کی بنیاد پر ہونا چاہیئے، اس کے بعد موعظہ حسنہ اور اچھی و نیک نصیحت، ایسی نصیحت جس میں تند خوئی نہ ہو، برتری پانے اور مد مقابل کو حقیر ثابت کرنے کا جذبہ نہ ہو، موعظہ سامنے والے کو ہٹ دھرمی پر ابھارنے والے عناصر سے خالی ہو اور پھر سب سے آخر میں اچھے اور شائستہ انداز میں مناظرہ و جدال احسن کیا جائے۔

اس کے علاوہ اسلام نے انسانی سماج و معاشرے کو باہمی مشورہ، خوش اخلاقی، اچھا سلوک، نیک برتاؤ، نرم مزاجی، مہر و محبت کا اظہار وغیرہ جیسے زندگی ساز احکام، اسلامی طرزِ زندگی کی تشکیل دینے کے لئے ہی صادر کئے ہیں تا کہ اسلامی طرزِ زندگی اپنانے کے بعد سماج و معاشرہ، بہترین ثقافت کا مالک اور ترقی و تکامل کی راہ پر گامزن رہے۔

ہ: کمزوروں اور محتاجوں کا خیال اور محروموں، بھوکوں اور پابرہنہ افراد کے تیئیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس

و: عوامی و عمومی عفت و حرمت کے حدود کی حفاظت و پاسداری

لوگوں کے عیوب چھپانا، ان کی عزت اور احترام کا خیال رکھنا، ان کے اسرار اور حریم و حرمت کی رعایت کرنا یہ سب اسلامی طرزِ زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔[۲]

ز: وحدت و یگانگت

۱۔ سورۂ نحل ر ۱۲۵۔

۲۔ سورۂ نور ر ۲۷۔

قرآن کریم نے سماجی اتحاد اور معاشرتی وحدت کے اسباب میں سے ایک سبب، دین اسلام کو قبول کرنا اور لوگوں کا کلمۂ توحید پر متفق ہونا، بیان فرمایا ہے اور اس کو ایک نعمتِ الٰہی کے عنوان سے پہچنوایا ہے: "وَاعۡتَصِمُوا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذۡكُرُوا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنۡتُمۡ أَعۡدَاءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖٓ إِخۡوَانًا"[1] (اللہ کی رسی کو سب ایک ساتھ مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے)۔

"وحدت و اتحاد" کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تمام اسلامی شعائر اور عبادتوں کو اسی آپسی یکجہتی اور باہمی یگانگی کو باقی رکھنے کے لئے تشریع کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وحدت اور یکجہتی، سماجی ترقی و اقبال اور رشد و تکامل کے لئے از حد ضروری ہے۔

ک: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نیک کاموں پر تشویق اور برائی دیکھ کر خاموش نہ رہنا، لوگوں کی سماجی و اجتماعی ذمہ داری ادا کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو "بہترین امت" کے طور پر پہچنوایا ہے جو اس سماجی خدمت کے لئے متحرک رہتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری نبھاتے ہیں: "كُنۡتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِاللّٰهِ..."[2] (تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا امر کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

آیہ کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، انسانی سماج و معاشرہ کی اصلاح، اس کے تکامل اور ترقی کا ذریعہ بھی ہے اور اس سماجی و اجتماعی ذمہ داری ادا کرنے والے کے ایمان باللہ کی علامت بھی۔

۱۔ سورۂ آل عمران / ۱۰۳۔

۲۔ سورۂ آل عمران / ۱۱۰۔

ل: مختلف راستوں سے دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا

دوسروں کے ساتھ جڑنا اور دوسروں کے لئے مثبت قدم اٹھانا، سماج میں نئی روح پھونکنے کے مترادف ہے بلکہ اسلامی طرز زندگی یعنی حیات طیبہ کی جانب مبذول ہونے میں بھی رول ادا کرتا ہے۔ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور نیک برتاو[۱]؛ بہترین مال و ثروت سے سخاوت اور عطا و بخشش[۲]؛ اچھے کاموں میں باہمی تعاون[۳] وغیرہ، اس مطلب پر قرآنی تعلیمات کے واضح و آشکار نمونے ہیں۔

سماج کے لوگوں کے ساتھ سنجیدہ تعلقات اور حسن معاشرت، زندگی کی اچھائیوں کے اضافہ کا سبب ہے۔اور پھر دین کے بزرگوں اور عالموں سے حسن ارتباط، کا مرتبہ و مقام تو اور ہی عظمت کا حامل ہے۔چونکہ جن لوگوں نے اسلامی زندگی کی بلندیوں کو پا لیا ہو اور پوری زندگی صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے ہوں، ان کے ساتھ زندگی گزارنا، یقیناً سماج کو ترقی و کمال کی جانب لے جائے گا۔

مغربی طرز زندگی کی اساس و بنیاد

مغربی طرز زندگی کی بنیاد ،مادّیت پرستی(materialism)، انفرادیت(individualism) ،حیوانی لذتوں کا حصول اور عقل کا بحیثیت آلہ کار و اوزار استعمال پر ہے۔

ایک ایسی فکر جہاں مسخ شدہ انسان، خدا کی جگہ لینا چاہتا ہے اور ایک صاحب علم و ارادہ و قدرت موجود کی حیثیت سے ہر چیز کو اپنے تصرف اور ملکیت میں لینے کا خواہاں ہے۔

مغرب میں، طرز زندگی کی بحث کو پیش کرنے کا اصلی مقصد، صرف سرمایہ داری کے ریکٹ اور پیداوار کی بڑی بڑی کمپنیوں کو نفع پہنچانے والے افکار و خیالات ہیں۔ مثال کے طور پر، سیموئل ہنٹنگٹن(Samuel huntington) نے

۱۔ سورۂ اسراء/ ۲۳-۲۴۔

۲۔ سورۂ آل عمران/ ۹۲۔

۳۔ سورۂ مائدہ/ ۲۔

اپنی کتاب "چالش ھای ہویت در آمریکا "میں،امریکی شناخت سازی (AMERICANIZATION)کے لئے ، امریکا کے سیاسی نظام کی کامیابی کو بیرونی بے شمار لوگوں کی مختلف اور گاہے متضاد رسومات،عقیدوں اور تہذیبوں کے ساتھ موجودگی کو جاناہے۔ اس معنی میں کہ ہم تمہارے دین، مذہب، رنگ، قوم اور زبان سے کوئی مطلب نہیں رکھتے، صرف آپ امریکی زندگی گزاریں(امریکی طرزِ زندگی رکھتے ہوں)۔

مغربی مفکرین نے "انسان" کی اس حد تک تحقیر کی ہے کہ اسے ماہیت اور حقیقت کے لحاظ سے عام حیوانات اور دیگر موجودات کی صف میں شمار کیا ہے۔انسان کی کیا یہ کم تذلیل ہے کہ اسے ایسے بے ارزش اور پست کاموں تک محدود رکھا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہیں،ایک ایسی مخلوق نہ جس کی ابتدا کا علم ہو اور نہ انتہا معلوم؛ نتیجتاً وہ خود کو ایسا بے قدر و قیمت، بے چین و مضطرب، بے مقصد و بے ہدف اور عبث و بیہودہ تصور کرتا ہے جسے اپنی تخلیق کا مقصد،بس مادیات کے دلدل میں غرق ہونے کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

اسی طرزِ فکر کی طرف اس آیہ کریمہ میں اشارہ ہے:"وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ"[1](ان کا کہنا ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، ہم مریں گے اور زندہ ہوں گے اور ہم کو طبیعت اور روزگارِ زمانہ کے علاوہ کوئی چیز فنا نہیں کرسکتی)۔

انسان کی مادی و معنوی زندگی کے بارے میں اس طرح کا نقطۂ نظر، جہاں فقط اس کی زندگی کے ایک ہی رخ پر نگاہ ہو، سبب بنتا ہے کہ وہ انسان اور اس کی زندگی کو صرف قدرت،منفعت اور لذت تک محدود جانیں۔

ذیل میں مغربی طرزِ زندگی کی بنیادوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

لذت پرستی

مغربی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کا معنی و مطلب یہ ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو "لذت "حاصل ہو۔

۱۔ سورۂ جاثیہ/ ۲۴۔

یوں خود "لذت"، انسانی زندگی کے سفر کو بلند اہداف و مقاصد تک پہونچانے والے اہم اسباب میں سے ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا "لذت"، زندگی کا ہدف نہائی ہے؟ آیا لذت کے حصول کو انسان کی ساری کار کردگیوں اور تمام ایکٹیویٹیز کا مرکز و محور سمجھنا، انسان کے لئے مناسب ہے؟

علامہ جعفریؒ اس بارے میں رقمطراز ہیں: " تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ، ان معنوی لذتوں کو تو نظر انداز کرتے ہیں جو بسا اوقات انسانی اقدار کی رعایت کے نتیجہ میں ممکن ہے حاصل ہوں، لیکن اسے اعتباری و قراردادی اقدار کہکر علمی نظریات سے پرے رکھتے ہیں اور ان کی جگہ حیوانی لذتوں کو محسوس ہونے کی وجہ سے علم کے دائرے میں قرار دیتے ہیں۔"[1]

قدرت پرستی

اگر چہ "قدرت "معنوی زندگی کی جانب لے جانے والے بہترین وسیلوں میں سے ایک ہے؛ لیکن اس کا بیجا استعمال، نہ صرف یہ کہ پاکیزہ زندگی کے حق میں نہیں ہوتا، بلکہ اسے غیر قانونی قبضہ جمانے اور لوگوں پر مسلط ہونے کے لئے بطور وسیلہ کیا جاتا ہے۔

انسان کی جو مختلف تعریفیں سامنے آئی ہیں، اسی تناظر میں ہیں۔ مثال کے طور پر، تھامس ہابز لکھتا ہے:"انسان، انسان کا بھیڑیا ہے، اگر اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔"[2]

ایسی بد ترین فکر، انسان کو کس بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ درندوں کے برابر پست بنا کر پیش کر رہی ہے۔ ظاہر ہے انسان کے بارے میں ایسے نظریات کے حامل، اس کی زندگی کی تمام پلاننگ اسی بنیاد پر کریں گے، نتیجہ میں انسانی کرامت اور پاکیزہ زندگی کا گلا گھٹ جائے گا۔ واضح رہے دوسروں کو نوچنے پھاڑ کھانے کے لئے جو قدرت وطاقت پیدا کی جائے، وہ انسانی توانائیوں کی غلط تفسیر ہے۔

۱۔ جعفری، پیام خرد، ۲۱۶۔

۲۔ خدادادی، مبانی علم سیاست، ۱۶۶۔

نفع پرستی

منفعت خواہی اور نفع پرستی کی جڑ "حب ذات" ہے۔ اور یہ خود، انسانی زندگی کے امور میں ترقی و پیشرفت کے وسیلوں میں سے ایک ہے۔ لیکن اگر افراط کا شکار ہو جائے اور خود "مقصد" بن جائے اور اس کو "حق پرستی" کی جگہ بٹھا دیا جائے، تو یہی منفعت خواہی اور نفع پرستی، انسان کو پستی کی جانب لے جاتی ہے اور اس کے سقوط و انحطاط کا سبب بن جاتی ہے۔[1]

ہابز، ماکیاول، نیچے اور فروید جیسے مفکرین جنھوں نے انسان کو طاقت کے استعمال میں پہچنوایا ہے، یا زندگی کی قیمت کو "بقاء کی جدوجہد" تک نیچے دکھایا ہے اور زندگی کو اخلاق سے عاری ومبرّہ بتاتے ہوئے انسانی زندگی کو حیوانات کی صف میں فرض کیا ہے اور اس سے پست ترین موجودات پر جو قوانین لاگو ہیں، ان کو اس کی زندگی میں داخل کر دیا ہے اور پھر انسانی حقوق کی اس پر بنیاد رکھی ہے؛ یہ لوگ اس فلسفہ و نقطۂ نظر کے ساتھ جو انسان کے بارے میں رکھتے ہیں، اس کے سبب ان سے نہیں ہو سکتا کہ وہ بلند مقاصد و اہداف جو انسان کی خلقت میں رکھے گئے اور اس انسان سے اس کا ہی انتظار ہے، اس کو وہ عملی جامہ پہنا سکیں؛ کیونکہ ان کی توجہ اور نگاہ، انسان اور اس کی زندگی پر ایک رخی ہے۔ یہ توجہ صرف انسان کی طبیعی و حیوانی زندگی کی جانب مائل ہے اور مابعد الطبیعت کے پہلو سے الگ تھلگ ہے، لہٰذا اس طرح کے افکار کے سایہ میں معنوی و معقول زندگی کا معنی وجود میں ہی نہیں آئے گا۔

آخر کار اس فضا میں جس کا ہم آج کل کے دور میں مشاہدہ کر رہے ہیں، انسانوں کی شخصیت صنعتی مشینوں کے بیچ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس رہی ہے؛ یہ انسانی زندگی کو صرف ایک جاندار موجود کی حیثیت سے دیکھنے کا منحوس پیغام ہے۔

آیت اللہ جوادی آملی اس بارے میں لکھتے ہیں: "آج کے دور میں مادی عالمی نظریہ کے حامل افراد، اقوام متحدہ کے قانونی حقوقی اداروں کو اسلام کے تربیتی نظریہ کے مقابلہ میں غلط استعمال اور مس یوز کرتے ہوئے تصریح کرتے

۱۔ دیکھئے: رضایی آدریانی، پیشرفت علوم طبیعی و نقش آن در سبک زندگی قرآنی، مجلہ قرآن و علم، ۱۳۹۸۔

ہیں کہ انسان کو بچپنے سے ہی اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے اور اس کے سامنے ہر طرح کے مذہبی نظریہ اور ہر مقدار میں عقیدہ کی تعلیم کی وضاحت و تشریح اور بیان کرنے سے پرہیز چاہیئے تا کہ بالغ ہونے کے بعد وہ خود فیصلہ کرے اور اپنی جوانی میں اپنے عقیدہ و فکر کے نظام کو بنائے اور پھر جس مذہب و مکتبِ فکر کی جانب جانا چاہے وہ چلا جائے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے پودے کو رشد و نمو کے موقع پر مالی و باغبان کی دیکھ ریکھ سے محروم کر دیا جائے تا کہ جب وہ تناور ہو جائے، اس کو اپنے اختیار میں لے لیں۔ ظاہر ہے اب اس کی کجی نا قابل اصلاح ہو گی اور اسے سیدھا کرنا اسے توڑنے کے مترادف ہو گا۔"[۱]

ماڈرن انسان کے بے حیثیت ہونے کو ثابت کرنے کے لئے قلم چلانے کی ضرورت نہیں؛ لیکن ایک جملہ میں کہا جائے تو موجودہ دور کے انسان کی طرزِ زندگی میں سب سے بڑی بیماری کی علت دین اور خدا سے جدائی کو جانا گیا ہے۔ اس مطلب پر کچھ مغربی دانشوروں کا بھی ایمان و یقین ہے: " آج کے ماڈرن زمانے میں انسان کی الجھن اور گمراہی و بے چینی کا سبب ایمان کا نہ ہونا اور دین و خدا سے دوری ہے۔"[۲]

مغربی طرز حیات کے انحطاط اور مغربی تہذیب کی تنزلی و پستی کا ثبوت "آن ماری شیمل[۳]" جرمنی دانشمند خاتون کا یہ نوٹ ہے: " مادی اور معنوی ایک سخت ترین جنگ نے مغربی دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یورپ نے علم و ہنر کے میدان میں تو خوب ترقی کی ہے، مگر معنوی لحاظ سے سب سے زیادہ تنزلی کا شکار ہے۔ اس انحطاط سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہمیں " معنوی اقدار" کی جانب پلٹ جانا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کو علمی و ہنری ترقی کی ضرورت ہے؛ لیکن مقدس اقدار کے پامال ہو جانے کی قیمت پر نہیں۔ جو چیز میرے لئے ہمیشہ دلچسپ رہی ہے،

۱۔ جوادی آملی، حیات حقیقی انسان در قرآن، ۱۴۱۔

۲۔ استیس، دربی معنایی، معنایی هست، ۱۰۹۔

۳۔ موصوف کے آثار تقریباً ایک سو دس جلد ہیں اور انھوں نے ساٹھ سال تک کئی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں اسلام شناسی اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی تدریس کی ہے۔

مشرقی ملتوں کے ایمان کا زندہ رہنا ہے۔ خدا وہاں حی و حاضر ہے۔ لوگوں کے پاس ایمان ہے، چاہے اس کو زبان پر نہ لائیں، وہ خدا پر عقیدہ و توکل رکھتے ہیں اور مسلمانوں کا یہ یقین مجھے ہمیشہ متاثر رکھتا ہے۔"[1]

نتیجہ کلام

اسلامی تہذیب و ثقافت میں زندگی اور انسان انتہائی اہمیت کے حامل جانے گئے ہیں۔ مغربی طرزِ زندگی کی اہم ترین بنیادوں میں سے ایک، صرف لذت پرستی ہے۔ اسلام میں خوشی اور لطف اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ لذتوں کو منع بھی نہیں کیا گیا؛ لیکن مومنین کو چاہیئے ان لذتوں کے سرچشمہ پر توجہ کریں۔ قرآن کی خوشی اور غم کی ان حالتوں پر شدید تاکید ہے جو آخرت میں تجربہ ہوں گی۔ اسی وجہ سے مومنین اپنی دنیاوی طرزِ زندگی میں، ایثار اور انفاق مال کے ذریعہ محروموں اور ضرورتمندوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ لذتوں اور خوشیوں پر حاکم روح کو خدا کی رضایت اور خوشنودی میں قرار دیتے ہیں۔

حوالے

۱۔ قرآن کریم، ترجمہ: محمد علی رضایی اصفہانی و جمعی از اساتید جامعۃ المصطفیٰ انتشارات المصطفیٰ، قم، چاپ دوم، ۱۳۸۸۔

۲۔ ابن ابی الحدید، عبد الحمید بن ھبۃ اللہ، شرح نہج البلاغہ، انتشارات کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴۔

۳۔ استیس، والٹر، ٹی، دربی معنایی ہست، باز تاب اندیشہ، ترجمہ، اعظم پویا، شمارہ ا و ۲، سال ہشتم، بہار و تابستان ۱۳۸۲ ش۔

۴۔ انوری، حسن، فرہنگ بزرگ سخن، انتشارات سخن، تہران، ۱۳۸۲۔

۵۔ جعفری، محمد تقی، پیام خرد (مجموعہ مقالات و سخنرانی ھای بین المللی)، نشر کرامت، تہران، ۱۳۷۴

۶۔ جوادی آملی، عبد اللہ، حیات حقیقی انسان در قرآن، نشر اسراء، قم، ۱۳۸۶

۷۔ صورت و سیرت انسان در قرآن، اسراء، قم، ۱۳۷۹

۱۔ رضایی بیرجندی، سبک زندگی در صحیفہ سجادیہ، ۵۴۔

۸۔ حر عاملی، شیخ محمد بن حسن، وسائل الشیعہ، آل البیت، قم، ۱۴۰۹

۹۔ رضایی آدریانی، ابراہیم "پیشرفت علوم طبیعی و نقش آن در سبک زندگی قرآنی" مجلہ قرآن و علم، دورہ ۱۳، شمارہ ۲۴، بہار و تابستان ۱۳۹۸

۱۰۔ رضایی بیرجندی، علی، سبک زندگی در صحیفہ سجادیہ، موسسہ بوستان کتاب، قم، ۱۳۹۵

۱۱۔ زمخشری، جار اللہ محمود، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷

۱۲۔ سید بن طاووس، علی بن موسی، اقبال بالاعمال الحسنہ، دار الکتب الاسلامیۃ، تہران، ۱۳۶۷

۱۳۔ شریف رضی، محمد بن حسین، نہج البلاغۃ، تصحیح، صبحی صالح، ہجرت، قم، ۱۴۱۴ھ

۱۴۔ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، انتشارات جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، قم، ۱۴۱۷

۱۵۔ عروسی حویزی، عبد علی بن جمعہ، نور الثقلین، اسماعیلیان، قم، ۱۴۱۵

۱۶۔ فیض کاشانی، مولی محسن، علم الیقین، انتشارات اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۷

۱۷۔ قاری زادہ ابرقویی، ابوالفضل، معناداری زندگی از دیدگاہ قرآن و عترت، دانشکدہ تفسیر و علوم قرآن، قم، ۱۳۸۷

۱۸۔ کاویانی، محمد، سبک زندگی اسلامی و ابزار سنجش آن، پژوہشگاہ حوزہ و دانشگاہی، قم، ۱۳۹۲

۱۹۔ محمودی، اکبر، "بررسی جایگاہ علم در سبک زندگی قرآنی" دوفصلنامہ قرآن و علم، ش ۱۹، ۱۳۹۵

۲۰۔ معین، محمد، فرہنگ فارسی معین، موسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱